© rasailojaraid.com

بحث و نظر

اسلامی تحریکیں: جدوجہد کس طرح؟

راشد الغنوشی ○

محمد ظہیرالدین بھٹی

اختلاف رائے ایک فطری امر ہے' وہ فطرت' جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ط وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ط (ھود ۱۱: ۱۱۸-۱۱۹) "بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا' مگر اب تو وہ مختلف طریقوں پر ہی چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادی انتخاب و اختیار اور امتحان) کے لیے تو اس نے انھیں پیدا کیا تھا"۔ نیز فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (المائدہ ۵: ۴۸) "اگرچہ تمھارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا' لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمایش کرے"۔

انسان چوں کہ آزاد پیدا کیے گئے ہیں لہٰذا اختلاف رائے سے مفر نہیں۔ اختلاف کو سرے سے مٹا کر' زبردستی وحدت حاصل کرنے سے امتحان و ابتلا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس صورت میں انسان اپنے آزادانہ اختیار و ارادہ کو استعمال ہی نہیں کر سکتا۔ شریعت اسلامیہ نے اختلاف رائے سے نہیں تنازع و تفرقہ سے روکا ہے۔ نفس اختلاف سے روکنا تو امر محال ہے' خلاف فطرت ہے۔ اختلاف رائے' انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ جب کبھی سیاسی اور فکری آمریت کے ذریعے انسانوں کی اس فطرت کو دبانے کی کوشش کی گئی تو اس کے تلخ نتائج نکلے۔

○ تیونس کی تحریک اسلامی النہضۃ الاسلامیۃ کے قائد' جو ان دنوں برطانیہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تحریکی مسائل پر لکھتے ہیں۔ عرب دنیا خصوصاً تیونس کے تجربات پر ان کی گہری نظر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف کا اعتراف کر کے' اس میں فکر و نظر سے کام لینا مطلوب ہے نہ کہ اس کا استیصال کرنا۔ اختلاف سے بحسن و خوبی نبٹنا مستحسن ہے تاکہ اختلاف رائے' حیات افروز اور مفید ثابت ہو نہ کہ تباہ کن۔ اختلاف رائے کو تسلیم کرتے ہوئے' احسن طریقے سے اس سے عہدہ برآ ہونے سے وحدت و یک جہتی قائم ہوتی ہے۔ یہ وحدت جبری نہیں ہوتی' رضاکارانہ ہوتی ہے۔ یہ رنگارنگی' تنوع اور تکمیل باہمی کی وحدت ہوتی ہے جس میں دوسروں کی خصوصیات کو تسلیم کیا جاتا ہے' ان کی نفی نہیں کی جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اختلاف سے نبٹنے اور عظیم اسلامی اصول "شوریٰ" کو اختیار کرنے میں کوتاہی کا آغاز ہماری امت کی تاریخ میں' اس دن سے ہوا تھا جب دین کو مقصد برآری کا ذریعہ بناتے ہوئے نیزوں پر قرآن شریف کو بلند کیا گیا تھا۔ "تقدیر" کا مفہوم بھی بدلا گیا اور امت پر مسلط کردہ صورت حال کو قانونی جواز دینے کے لیے' فتنہ کو اختلاف کے مماثل قرار دیا گیا۔ یعنی جو اقتدار پر کسی بھی طرح قابض ہو جائے' اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا جائے اور اسے قانونی تحفظ دے دیا جائے۔ اس کے مقابلے میں' واقعاتی صورت حال سے' ایک طرح کا فرار اختیار کرتے ہوئے "بیماری" کا علاج "مرض" سے کرتے ہوئے' بعض حضرات نے' امت پر "وصی" مقرر کر دیے جانے کے نعرہ بلند کیا۔ امت کو مشاورت کا جو حق حاصل تھا' ان لوگوں نے یہ حق مکمل طور پر چھین لینا چاہا۔ انھوں نے امت کا معاملہ' امام غائب کے یا اس شخص کے حوالے کر دیا جو امام غائب کے نام پر حکومت کرے اور یہ باور کرا دے کہ کسی خاص وجہ سے امام غائب کے ساتھ اس کا رابطہ ہے اور وہ ان سے مدد لے رہا ہے۔ امت اسلامیہ کو شریعت اور شوریٰ کے ذریعے جو حق حکومت ملا تھا' ان حضرات نے یہ حق سلب کر لیا۔ اب امام غائب یا ان کے نمایندے کو ایک طرح کی "عصمت" یا "شبہ عصمت" مل گئی۔

امام غائب کے نمایندے میں' اور اس حکمران میں عملاً کوئی فرق نہیں جو اپنے آپ کو مشورے کرنے کا پابند تو سمجھتا ہے مگر مشورے کو اہمیت دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ کہتا ہے کہ "مشورہ کرنا" تو ضروری ہے مگر دیے گئے مشورے پر عمل درآمد ضروری نہیں۔ وہ ایک پلڑے میں پوری امت کو رکھتا ہے اور دوسرے پلڑے میں اپنے آپ کو' مگر اپنے پلڑے کو بھاری گردانتا ہے۔

ہماری امت نے جتنی کوتاہی' مشورے اور مذاکرات میں کی ہے' کسی چیز میں نہیں کی۔ یہی کوتاہی خلافت کے خاتمے کا سبب بنی۔ اسی وجہ سے امت ایک ایسے پُرخطر راستے پر جا پڑی جس کا لازمی انجام خلافت کا دروازہ مکمل طور پر بند ہونا تھا۔ امت کو ایسے بحرانوں سے گزرنا پڑا جنھوں نے منزل کھوٹی کر دی۔ انھی حالات کی بنا پر' امت کا یہ مزاج بن گیا کہ وہ غیر قانونی طور پر اقتدار پر قبضہ کرنے والوں کے خلاف خروج نہ کرے اور اسے ایک امرواقعہ سمجھ کر تسلیم کرے۔ تاہم یہ ضروری تھا کہ نیا حاکم احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت پر عمل پیرا ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے کے ذریعے خرابیوں اور جرائم کی روک تھام کرے، رعایا کی بہتری کے لیے کام کرے۔ قومی فلاحی اداروں جیسے مساجد، مدارس اور جملہ سماجی خدمات کے اداروں کی، پہلے سے قائم اوقاف کے ذریعے مدد کرے۔ سماجی خدمات کی بہتات سے جب عوام کی حاجات و ضروریات پوری ہو رہی ہوتیں تو وہ بڑی حد تک حکمرانوں سے بے نیاز ہو جاتے۔ البتہ دو کام ایسے تھے جو بہرحال حکمرانوں کو ہی سرانجام دینا تھے اور ان کے لیے امت کو حکومت کی جانب ہی دیکھنا ہوتا تھا۔

مسلح جہاد، جمہور مسلم علما کے نزدیک صرف اس وقت جائز ہے جب کوئی بیرونی دشمن دین، مسلمانوں اور مسلم علاقوں پر حملہ آور ہو۔ زبردستی اقتدار پر قابض ہو جانے والے طالع آزماؤں کے خلاف مسلح جدوجہد، جمہور علما کے نزدیک کبھی پسندیدہ عمل نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ علما کا یہ طرز عمل منفی تھا۔ اس سے جابر و سرکش حکمرانوں کو موقع مل جاتا تھا کہ وہ داعیان اسلام پر ستم کرنے میں جری ہوں، حرمتوں اور حقوق کو پامال کریں اور آزادیاں سلب کر لیں۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں مسلم علما کی اکثریت کا یہ طرز عمل اگرچہ آئیڈیل--- درست ترین اقدام --- نہ تھا، ان کے اس عمل پر نکتہ چینی بھی ہوتی رہی ہے، تاہم، یہ رویہ امت کے لیے کم نقصان دہ ضرور ثابت ہوا ہے۔ اس کے برعکس، سرکش حکمرانوں کے خلاف جاں بازی، معرکہ آرائی اور انھیں مباح الدم قرار دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جب تک بہت سے بے گناہ لوگ مارے نہ جائیں، عوامی مفادات تباہ نہ ہو جائیں، اور امت کے دشمنوں کی مداخلت کے لیے، امت کی کمزوری کے کئی راستے نہ کھل جائیں۔

اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ قابض و مسلط حکام کا قلع قمع کر دینے، اور جان و مال کی اتنی عظیم قربانیاں دینے کے باوجود، تجربے سے ثابت ہے کہ پیش نظر مقصود پھر بھی شاذو نادر ہی حاصل ہوتا ہے۔ مسلط حکمرانوں کے خلاف، عوام کے ہتھیار اٹھا لینے کے بعد، اگر کہیں حکمران اقتدار سے دستبردار ہوئے بھی ہیں تو پہلے سے بڑا ڈکٹیٹر سامنے آتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہم ظالم و جابر حکمرانوں کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ بلاشبہ ستم گر حکمران کا مقابلہ کرنا ایک مقدس شرعی فریضہ ہے۔ انبیا کرام کی بعثت کا ایک مقصد دنیا میں قیام عدل بھی ہے۔

دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے، وہ عظیم ہتھیار استعمال کیا جائے جو اسلام نے ہر مسلمان کو، حسب حالات انفرادی و اجتماعی طور پر عطا فرمایا ہے۔ یہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اس ہتھیار سے لیس ہو کر، ہم اس طرز عمل سے بچ سکتے ہیں جیسے تاریخ اسلام کے طویل دور میں، خوارج اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے نقش قدم پر چلنے والوں نے اختیار کیا اور آئے دن کی خونریزیوں اور بحرانوں سے مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن بنا کے رکھ دیا۔ خوارج کے ان اقدامات سے مسلمانوں کو خیر و صلاح ملی، نہ ظلم سے نجات۔

افراتفری کی اس کارروائی سے ہٹ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنا لینا یقیناً رشد و بصیرت کا کام ہے۔ اس سے ہم جہاد کے مختلف مدارج و مراتب میں سے مناسب درجے کو اختیار کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وَحَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَفْهَمُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلَهٗ "لوگوں کے فہم کے مطابق بات کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو جھٹلایا جائے؟"--- عربی کا محاورہ ہے: لکل مقام مقال، یعنی بات موقع محل کے مطابق ہو۔ چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا ہی دانش مندی ہے۔ گڑبڑ، فتنہ و فساد اور انارکیت سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ "اسلامی جہاد" کا اصول اپنایا جائے اور اس میں تدریج کو ملحوظ رکھا جائے۔ سب سے افضل جہاد، کلمہ حق ہے۔ جہاد الکلمۃ ہی امت کے داخلی اختلافات سے نبٹنے کا واحد جائز طریقہ ہے۔

حالات کی تبدیلی کو درست طور پر سمجھ نہ سکنے کا ایک سبب "مملکت" کے ادارے کو سمجھنے میں کمزوری ہے۔ مملکت اور امرواقعہ کو سمجھنے میں یہ کمزوری دراصل نتیجہ ہے اسلاف کی اندھی تقلید کرنے اور یونانی قیاسی منطق سے متاثر ہونے کا۔ امرواقعہ اور زمینی حقائق سے یونانی منطق کا کچھ تعلق نہ تھا اور اسلاف کے مسائل و ضروریات سادہ تھے۔ یونانی منطق سے اثرپذیری کا نتیجہ ہے کہ کئی فقہی قوانین و قواعد صورت حال سے مجرد ہیں۔ نیز عقلی عمل، صرف نظریاتی دعووں میں کارفرما ہوتا ہے، بجائے اس کے کہ عقل، شریعت اور صورت حال کی تکون بنے۔

قیاس کی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کوئی نئی صورت سامنے آتی، نیا مسئلہ پیدا ہوتا، تو علما نصوص اور اسلاف کے فتاویٰ و اقوال کی طرف لپکتے تاکہ وہ قیاس کرنے کے لیے کوئی ملتا جلتا واقعہ ڈھونڈ سکیں۔ چونکہ نصوص اور اقوال سلف بھی وقائع کی مانند متعدد ہوتے ہیں اور ان میں بظاہر اختلاف ہوتا ہے، اس لیے متلاشی حضرات بھی اپنے پیش نظر نصوص پر عمل پیرا ہو کر، دوسروں سے اختلاف کرتے۔ اسی طرح اسلاف کی تاریخ کے واقعات، جن پر قیاس کیا جاتا ہے، مختلف ہوتے ہیں۔

ظالم حکمرانوں کے خلاف، خروج کے حامی علما، ان آیات سے استدلال کرتے تھے جن میں قتال کا ذکر ہے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں سلف کے اعمال اور اولین فقہا کی آرا پیش کرتے--- جن کی رو سے جہاد کرنا، اور اگر جہاد کی طاقت نہ ہو تو کم از کم جہاد کی تیاری کرنا--- شرعی فریضہ ہے۔ جہاد یا اس کی تیاری سے منہ موڑنا بھاری گناہ ہے جس سے مسلمان، ملت اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ حضرات آیات قتال اور فتاویٰ اسلاف سے استشہاد ضرور کرتے مگر ان آیات کو نظرانداز کر دیتے جن میں حکمت اور موعظت حسنہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلانے کا حکم ہے۔ ان آیات میں صبروبرداشت کا حکم دیا گیا ہے اور خروج کرنے والوں کو فتنہ جو قرار دیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ خروج کے داعی اگر کامیاب ہو جاتے تو علما ان کے اقتدار کو بھی "امرواقعہ" سمجھ کر جائز تسلیم کر لیتے اور ان سے صرف وہی مطالبات کرتے جو سابقہ حکمرانوں سے کرتے تھے۔

جب تک "صورت حال" یا "امرواقعہ" کے اساسی عنصر اور فیصلہ کن توازن کا غور سے جائزہ نہ لے لیا جائے، معروضی حالات و ظروف کی حقیقت کو سمجھ نہ لیا جائے، حالات کی نبض پر ہاتھ نہ ہو، تغیرو تبدل کے مواقع کا پوری باریک بینی سے جائزہ نہ لے لیا جائے اور پھر اس نتیجے پر نہ پہنچا جائے کہ ہمیں جدوجہد کس سطح پر کرنی ہے؟ ہماری استطاعت کیا ہے اور امکانات کیا ہیں؟ کبھی اقدام درست نہیں ہو سکتا۔

"استطاعت" کا عنصر ہی وہ چیز ہے جسے شارع نے متعین فرمانے میں، کسی متعین منکر کے ازالے کے سلسلے میں، ذرائع و وسائل کے اختیار کرنے میں فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ (التغابن ۶۴:۱۶) "لہٰذا جہاں تک تمھارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو"۔ نیز فرمایا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا ؕ (البقرہ ۲:۲۸۶) "اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا"۔

صاحب الدعوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو کوئی تم میں سے برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے، اگر اس کی استطاعت نہیں تو پھر اپنی زبان سے، اور اگر اس کی استطاعت نہیں تو اپنے دل سے اور یہ کمزور ترین ایمان کا مظہر ہے (مسلم)۔ گویا اس ارشاد کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرات کے ازالے کے لیے، شر کے ہٹانے کے لیے، ناپسندیدہ عناصر کا قلع قمع کرنے کے لیے، حالات کی تبدیلی کے لیے مسلمانوں کے سامنے کئی راستے رکھ دیے ہیں تاکہ وہ خود، پیش آمدہ صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے کر، حالات و امکانات کو سامنے رکھ کر، مناسب اور موزوں قدم اٹھائیں۔ شارع نے اسے مسلمانوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے اور کسی خاص اقدام کا تعین نہیں فرمایا۔

قرآن و سنت "استطاعت" کی قید لگاتے ہیں اور فرد وجماعت کو "پیش آمدہ صورت حال" سمجھنے کا پابند کرتے ہیں۔ صورت حال کو سمجھنا کوئی معمولی کام نہیں، اس کے لیے خاص علوم کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے عمرانیات، اقتصادیات، شماریات، سیاسیات، تاریخ، فلسفہ وغیرہ وغیرہ۔ ان علوم میں مہارت حاصل کرنے سے ہم اپنی سیاسی فکر کی خامیوں کو دور کر سکتے ہیں۔

ہماری پس ماندگی اور ہماری امت کی بہترین صلاحیتوں اور عظیم قربانیوں کے ضیاع کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم صورت حال یا امرواقعہ کو درست طور پر سمجھ نہ سکے۔ تغیرو تبدل کا جذبہ اپنی جگہ نہایت مستحسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، لیکن اس کے لیے مناسب و موزوں وقت کی پہچان بھی بہت ضروری ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہماری امت نے، اپنے عقیدہ کی خاطر، جان و مال کی جتنی بڑی قربانیاں دی ہیں، کوئی دوسری قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ہمارا یہ المیہ رہا ہے کہ ہم نے ہمیشہ حالات کا درست اندازہ لگانے میں کوتاہی برتی ہے۔ اس سلسلے میں عقل و فہم کا مناسب استعمال نہیں کر پائے۔ ہم نے افرادی و مادی وسائل کے استعمال میں کمزوری دکھائی ہے۔ اپنے اور دشمن کے امکانات کا موازنہ کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ ترجیحات کی ترتیب و تعیین میں ضعف دکھایا ہے۔ مخالفین کی درجہ بندی نہیں کر سکے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم دوستوں کی تلاش جاری رکھیں، اپنے دشمنوں میں کمی کریں، قربانیاں دینے میں اعتدال کا رویہ اپنائیں، کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے عواقب و ثمرات پر اچھی طرح غور و فکر کر لیں، تجربات سے سبق حاصل کریں، مشاورت و شوریٰ کا دائرہ وسیع کریں۔ ماہرین و متخصصین کا احترام کریں اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کریں، ہر ایک کی صلاحیت و استعداد کے مطابق اسے ذمہ داریاں سونپیں۔ امت کی قوتوں کو یکجا کرنے کے لیے عدل قائم کریں۔ اپنے اندر صبر و برداشت کی قوت پیدا کریں اور غیر ضروری معرکہ آرائیوں سے اجتناب کریں۔ اعلیٰ مقاصد سے لگن پیدا کریں، حسن خلوص سے آراستہ ہوں۔

ہمیں چاہیے کہ آنے والی نسلوں کے لیے عمدہ نمونہ چھوڑیں۔ ہمارے لیے اور آیندہ مسلمان نسلوں کے لیے کامیابی کا واحد راستہ یہی ہے کہ پیش آمدہ صورت احوال کا تدبر و تفکر سے جائزہ لیں--- یہ حالات خواہ مقامی ہوں یا بین الاقوامی--- تغیر و تبدل کے لیے مہیا امکانات و وسائل کا درست جائزہ لیں اور جلد بازی اور اثر پذیری سے بچ کر رہیں۔

جن بحرانوں سے ہم اب تک گزرے ہیں کیا ان کے تلخ نتائج ہمارے لیے اپنے اندر کافی سامان عبرت نہیں رکھتے؟ ہم لوگ صاحب دعوت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کی پیروی کب کریں گے جسے اپنانے کا حکم آپؐ کو ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ۱۲:۱۰۸)

تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔

© rasailojaraid.com